اسلام میں اقلیتوں کے حقوق کا تحفظ

عبدالصمد شیخ*

ABSTRACT:

Islam is the only religion which takes care of religious minorities's rights. It emphasize on Muslim rulers to deal with non-Muslim minorities in the same way which is formulated for Muslims. Throughout Muslim history we find lot of examples of their fair dealing with non-Muslim and letting them avail the same rights and opportunities which were in approach of Muslim citizens. They can avail any opportunity provided by the state if they are living in that Muslim state. They are dealt with the same rules and laws which are regulated for their Muslim counterparts. They are free in this regard. No one can neither force them nor compel them to convert to Islam. This article discusses about this great freedom given by Islam for non-Muslim living in Muslim state.

اسلام جہاں مسلمانوں کے حقوق کا تحفظ کرتا ہے وہی وہ غیر مسلموں کے حقوق کا بھی مکمل پاسباں ہے۔بطور انسان وہ کسی کافر و مسلم کی تفریق کا حامل نہیں۔اس کے نزدیک بطور انسان سب برابر ہیں۔دین اسلام میں جو اخلاقی تعلیمات دی گئی ہیں ان میں کسی طرح کی کوئی تمیز نہیں کہ مسلمان سے کیسے پیش آیا جائے اور کافر کے ساتھ کیسے؟ وہ تعلیمات عام ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ جب ان تعلیمات سے متعلق احکامات دیے جارہے تھے تو مسلمان اقلیت میں جبکہ مشرکین واہل کتاب اکثریت میں تھے۔اس کے باوجود مسلمان ان پر عمل کرنے کے پابند تھے۔دورِاوّل کے مسلمانوں کا یہی وہ حسن کردار اور کامل اخلاق تھا جس کی بابت ان کے بارے میں ارشادِ باری نازل ہوا:

وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّ اَسِيْرًا ۝ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّ لَا شُكُوْرًا ۝ (الدھر:۸۔۹)

’’اور باوجود یکہ ان کو خود طعام کی خواہش (اور حاجت) ہے فقیروں اور یتیموں اور قیدیوں کو کھلاتے ہیں۔(اور کہتے ہیں کہ) ہم تم کو خالص اللہ کے لیے کھلاتے ہیں نہ تم سے عوض کے خواستگار ہیں نہ شکرگزاری کے (طلب گار)۔‘‘

حالانکہ اس دور میں سارے قیدی غیر مسلم تھے۔

* لیکچرر، دعوۃ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد　برقی پتا: asamad86.iiui@live.com

تاریخِ موصولہ: ۱۵/اپریل ۲۰۱۲ء

غیر مقاتلین مشرکین واہلِ کتاب سے معاملات کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَا یَنۡھٰکُمُ اللّٰہُ عَنِ الَّذِیۡنَ لَمۡ یُقَاتِلُوۡکُمۡ فِی الدِّیۡنِ وَلَمۡ یُخۡرِجُوۡکُمۡ مِّنۡ دِیَارِکُمۡ اَنۡ تَبَرُّوۡھُمۡ وَتُقۡسِطُوۡۤا اِلَیۡھِمۡ ؕ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الۡمُقۡسِطِیۡنَ o اِنَّمَا یَنۡھٰکُمُ اللّٰہُ عَنِ الَّذِیۡنَ قٰتَلُوۡکُمۡ فِی الدِّیۡنِ وَاَخۡرَجُوۡکُمۡ مِّنۡ دِیَارِکُمۡ وَظٰھَرُوۡا عَلٰۤی اِخۡرَاجِکُمۡ اَنۡ تَوَلَّوۡھُمۡ ۚ وَمَنۡ یَّتَوَلَّھُمۡ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوۡنَ o (الممتحنۃ:۸۔۹)

''جن لوگوں نے تم سے دین کے بارے میں جنگ نہیں کی اور نہ تم کو تمہارے گھروں سے نکالا ان کے ساتھ بھلائی اورانصاف کا سلوک کرنے سے اللہ تم کو منع نہیں کرتا۔اللہ تو انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔اللہ انہی لوگوں کے ساتھ تم کو دوستی کرنے سے منع کرتا ہے جنھوں نے تم سے دین کے بارے میں لڑائی کی اور تم کو تمہارے گھروں سے نکالا اور تمہارے نکالنے میں اوروں کی مدد کی تو جولوگ ایسوں سے دوستی کریں گے وہی ظالم ہیں۔''

جب کچھ لوگوں کے ذہن میں یہ بات آئی کہ ہم اپنے مشرک واہل کتاب اقرباء پر کیوں خرچ کریں؟ وہ تو اسلام اوراہلِ اسلام کے سخت مخالف ہیں۔اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نازل ہوا:

لَیۡسَ عَلَیۡکَ ھُدٰھُمۡ وَ لٰکِنَّ اللّٰہَ یَھۡدِیۡ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَ مَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ خَیۡرٍ فَلِاَنۡفُسِکُمۡ ؕ وَ مَا تُنۡفِقُوۡنَ اِلَّا ابۡتِغَآءَ وَجۡہِ اللّٰہِ ؕ وَ مَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ خَیۡرٍ یُّوَفَّ اِلَیۡکُمۡ وَ اَنۡتُمۡ لَا تُظۡلَمُوۡنَ o (البقرۃ:۲۷۲)

''(اے نبیؐ!) تم ان لوگوں کی ہدایت کے ذمہ دار نہیں ہو بلکہ اللہ ہی جس کو چاہتا ہے ہدایت بخشتا ہے۔اور (مومنو!) تم جو مال خرچ کروگے تو اس کا فائدہ تمہیں کو ہے اور تم تو جو خرچ کروگے اللہ کی خوشنودی کے لیے کروگے۔اور جو مال تم خرچ کروگے وہ تمہیں پورا پورا دے دیا جائے گا۔اور تمہارا کچھ نقصان نہیں کیا جائے گا۔''(۱)

اسلام نے غیر مسلموں کی نہ صرف اعانت جائز قرار دی بلکہ مصارف زکوٰۃ میں ایک مصرف بھی ان کے لیے خاص فرمایا جسے تالیف قلب سے جانا جاتا ہے۔

امام قرطبیؒ مصارف زکوٰۃ میں وارد لفظ فقراء کے متعلق فرماتے ہیں:

ومطلق لفظ الفقراء لایقتضی الاختصاص بالمسلمین دون اھل الذمه(۲)

''مطلق لفظ فقراء اہلِ ذمہ کے علاوہ خاص مسلمانوں کی تخصیص کا متقاضی نہیں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ جب اہل مکہ قحط کا شکار ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے کمزور حال لوگوں کے لیے مالی امداد بھیجی۔(۳)

سعید بن مسیّبؒ فرماتے ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی خاندان کے لیے صدقہ جاری کیا تھا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی ان کے لیے جاری رہا۔(۴)

عزیر بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں بدر کے دن قیدیوں میں سے تھا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے کہا تھا کہ قیدیوں سے اچھے انداز سے پیش آنا۔ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا، میں انصار کے پاس تھا۔جب وہ صبح وشام اپنا کھانا کھاتے تو ہمارے لیے روٹی پیش کرتے اور خود کھجور پر گزارہ کرتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلقین کی وجہ سے(۵)۔بعض روایات میں ہے کہ وہ خود پیدل چلتے اور ہمیں سواریوں پر سوار کرتے۔(۶)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی کی عیادت کی اور اسے اسلام کی دعوت دی جسے اس نے قبول کرلیا تو آپؐ نے فرمایا: تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے اسے آگ سے بچالیا۔(۷)

ایک موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے ہمراہ تشریف فرما تھے کہ ایک یہودی کا جنازہ گزرا، آپؐ فوراً احتراماً کھڑے ہوگئے، کچھ صحابہ نے عرض کیا کہ یہ تو یہودی کا جنازہ ہے تو آپؐ نے فرمایا کہ: وہ انسان نہیں ہے؟(۸)

اگر کسی کے ماں باپ مسلمان نہیں تو اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ وہ ان کی فرمانبرداری اور خدمت سے دستبردار ہوجائے بلکہ دین کے علاوہ ہر معاملے میں ان کا کہنا مانے اور اُف تک نہ کہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ اِنۡ جَاهَدٰكَ عَلٰۤى اَنۡ تُشۡرِكَ بِىۡ مَا لَيۡسَ لَكَ بِهٖ عِلۡمٌ ۙ فَلَا تُطِعۡهُمَا وَ صَاحِبۡهُمَا فِى الدُّنۡيَا مَعۡرُوۡفًا... (لقمان:۱۵)

''اور اگر وہ تیرے درپے ہوں [یا، اگر وہ تجھ پر دباؤ ڈالیں] کہ تو میرے ساتھ کسی ایسی چیز کو شریک کرے جس کا تجھے کچھ بھی علم نہیں تو ان کا کہنا نہ ماننا۔ ہاں، دنیا (کے کاموں) میں ان کا اچھی طرح ساتھ دینا۔''

اسماء بنت ابی بکرؓ سے مروی ہے:''قریش کے صلح کرنے پر میری والدہ بھی آئیں۔ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور آپؐ سے پوچھا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میری والدہ آئی ہیں اور وہ (قبول اسلام میں) رغبت رکھتی ہے۔ کیا میں ان سے صلۂ رحمی کا برتاؤ کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں، اپنی والدہ سے صلۂ رحمی کا سلوک کرو۔(۹)

مسلمانوں کا یہ رواداری والا معاملہ عہد نبویؐ تک محدود نہیں، بلکہ بعد کے ادوار میں بھی غیر مسلموں کے ساتھ یہی حسن سلوک کیا گیا۔حضرت عمرؓ کو جس شخص نے زخمی کیا تھا وہ ایک غیر مسلم مجوسی تھا جو بطور ذمی اسلامی سلطنت میں قیام پذیر تھا۔ جب آپؓ زندگی کی آخری سانسیں لے رہے تھے تو آپؓ اپنے ہونے والے خلیفہ کو یہ نصیحت کررہے تھے کہ ذمیوں کے ساتھ اچھے انداز سے پیش آنا، ان سے کیے گئے وعدے پورے کرنا، ان کی مکمل حفاظت کرنا، ان کی طاقت سے بڑھ کر ان پر کسی چیز کا بوجھ مت ڈالنا۔(۱۰)

عبداللہ بن عمرؓ کے بارے میں آتا ہے کہ آپؓ اپنے غلام کو ہمیشہ یہ تاکید کرتے کہ عیدالاضحیٰ کے موقع پر اپنے یہودی پڑوسی کو گوشت ضرور دیا کرے۔ جب غلام نے اتنی تاکید کی بابت پوچھا تو فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ ''جبریل ہمیشہ مجھے پڑوسی کے حوالے سے نصیحت کرتے ہیں، مجھے ڈر ہے کہ کبھی اسے وراثت میں حصہ دار نہ بنادے۔(۱۱)

جابر بن زیدؓ سے پوچھا گیا کہ ''صدقہ کسے دیا جاسکتا ہے؟ فرمایا مسلمان اور اہلِ ذمہ دونوں کو''۔(۱۲)

اسلام میں حسن سلوک کا معاملہ صرف اپنے ہم مذہب لوگوں تک محدود نہیں بلکہ تمام انسانیت اس میں شامل ہے کیونکہ اس کا تعلق مذہب سے زیادہ انسانی اقدار اور مکارمِ اخلاق سے ہے۔ امام شہاب الدین القرافی المالکیؒ فرماتے ہیں ''کمزور غیر مسلموں سے نرمی کا برتاؤ، ان کے فقیروں کی حاجت روائی، ان کے بھوکوں کو کھانا کھلانا، ان کو لباس پہنانا، ان کے ساتھ لطف ورحمت کرنا (نہ کہ خوف وذلت کے سبب)، نرم کلامی کرنا، ان کی ہمسائیگی میں پیش آنے والی کوئی بھی تکلیف بوجہ نرمی (نہ کہ کسی خوف یا لالچ کی بنیاد پر اور ازالے پر قدرت کے باوجود) برداشت کرنا، ان کے لیے ہدایت پانے اور اہلِ سعادت میں شامل ہونے کی دعا کرنا، دینی ودنیاوی تمام امور میں ان کی خیر خواہی کرنا، اگر کسی کو ان سے ایذا پہنچے تو ان کے عیوب کی پردہ پوشی کرنا، ان کے اموال، عصمتوں، تمام حقوق ومصالح کی حفاظت، ازالہ ظلم میں ان سے تعاون اور انہیں ان کے تمام حقوق دلوانا، مکارم اخلاق سے ہیں۔(۱۳)

جان کی حفاظت:

موجودہ دور میں جو غیر مسلم اسلامی ریاستوں میں قیام پذیر ہیں، ان کی جان کی وہی اہمیت و قیمت ہے جو کسی بھی مسلم شہری کی ہے۔ اگر کوئی مسلمان کسی بھی معاہد کو قتل کردے تو اس کا قصاص اسی طرح لیا جائے گا جس طرح کسی مسلمان کو قتل کرنے کی صورت میں لیا جاتا ہے۔ سیدنا ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپ ؐ نے فرمایا: خبردار جس نے کسی معاہد شخص کو قتل کیا جس کے لیے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ذمہ تھا، یقیناً اس نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمے میں کوتاہی کی۔ قیامت کے دن وہ جنت کی خوشبو بھی نہ پاسکے گا جو کہ ستّر سال کی مسافت سے پائی جاتی ہے۔(۱۴)

ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ قبلہ (مسلمان) کے ایک شخص کو اس لیے قصاص میں قتل کروایا کہ اس نے ایک ذمی کو قتل کیا تھا اور پھر فرمایا ''میں اس کے ذمے کے وفا کرنے کا زیادہ حق دار ہوں''۔(۱۵)

حضرت عمرؓ کی شہادت کے موقع پر آپؓ کے فرزند عبداللہ بن عمرؓ نے ہرمزان اور ابولؤلؤ کی بیٹی کو قتل کی سازش میں شریک ہونے کے شبہ میں قصاص میں قتل کردیا تھا۔ حضرت عثمانؓ کی خلافت میں یہ کیس آپؓ کے سامنے پیش ہوا۔ جلیل القدر صحابہؓ کی رائے تھی کہ انہیں قصاص میں قتل کیا جائے لیکن حضرت عثمانؓ نے اپنے پاس سے دیت دے کر عبداللہ بن عمرؓ کی جان بچائی۔(۱۶)

حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ آپؓ کے پاس ایک مسلمان کو لایا گیا جس نے ایک ذمی کو قتل کیا تھا۔ چنانچہ اس شخص پر جرم بھی ثابت ہوگیا۔ حضرت علیؓ نے اس شخص کے قتل کا فرمان جاری کردیا۔ اتنے میں مقتول کا بھائی آگیا اور کہنے لگا کہ میں

نے قاتل کو معاف کر دیا ہے۔آپ ﷺ مطمئن نہ ہوئے اور فرمایا: شاید ان لوگوں نے تجھے ڈرایا دھمکایا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں خون بہا لے چکا ہوں اور ویسے بھی قاتل کا قتل میرے بھائی کو واپس نہیں لا سکتا۔ آپ ؐ نے فرمایا: تم زیادہ بہتر جانتے ہو۔ پھر فرمایا جو کوئی ہمارا ذمی ہو اس کا خون ہمارے خون کی طرح اور دیت ہماری دیت کی طرح ہے۔(۱۷)

عمر بن عبدالعزیزؒ سے مروی ہے کہ آپ ؒ نے اپنے حیرہ کے حاکم کو ایک مسلمان سے متعلق تحریری حکم نامہ بھیجا جس نے ایک ذمی کو قتل کیا تھا کہ قاتل کو مقتول کے ورثا کے حوالے کر دیا جائے۔ ان کی مرضی چاہے تو قتل کرے یا معاف کر دیں۔ چنانچہ قاتل مقتول کے ورثا کے حوالے کر دیا گیا جسے انہوں نے قتل کر دیا۔(۱۸)

مذکورہ آثار و روایات سے پتا چلتا ہے کہ معاہدین کے لیے بھی قصاص سے متعلق وہی احکامات ہیں جو مسلمانوں کے لیے ہیں۔ اس حوالے سے مولانا مودودی فرماتے ہیں ''ذمی کے خون کی قیمت مسلمان کے خون کے برابر ہے۔ اگر کوئی مسلمان ذمی کو قتل کرے گا تو اس کا قصاص اسی طرح لیا جائے گا جس طرح مسلمان کو قتل کرنے کی صورت میں لیا جاتا ہے''۔(۱۹)

ڈاکٹر یوسف قرضاوی فرماتے ہیں ''جہاں تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا تعلق ہے کہ ''مسلمان کو کافر کے بدلے قتل نہ کیا جائے''(۲۰) تو اس سے مراد حربی کافر ہے نہ کہ معاہد۔ آپ مزید فرماتے ہیں: اسلام ذمیوں کو جس طرح جانی تحفظ فراہم کرتا ہے اسی طرح جسمانی تشدد اور مار پیٹ سے بھی ان کی حفاظت کرتا ہے۔ چنانچہ اسلامی قانون انہیں جزیہ کی ادائیگی میں تاخیر کرنے یا اپنے مالی واجبات (مثلاً جزیہ یا خراج) کی ادائیگی کے روک دینے پر جسمانی ایذا پہنچانے کی اجازت نہیں دیتا جبکہ زکوٰۃ ادا نہ کرنے والے مسلمانوں کے حوالے سے وہ سخت موقف اپناتا ہے۔ مالی واجبات ادا نہ کرنے والے ذمیوں کے حوالے سے فقہاء نے تادیباً زیادہ سے زیادہ سزا قید جائز قرار دی ہے اور وہ بھی ایسی جس میں کسی طرح کا تشدد یا مشقت شامل نہ ہو''۔(۲۱)

مال کی حفاظت:

اہلِ ذمہ کے اموال کی حفاظت بھی ایسے ہی ضروری ہے جیسے اہل اسلام کے اموال کی، یہ ان کے بنیادی حقوق میں شامل ہے۔ حضرت علیؓ فرماتے تھے ''اہل ذمہ نے عقد ذمہ قبول ہی اس لیے کیا ہے کہ ان کے مال ہمارے مال کی طرح، اور خون ہمارے خون کی طرح محفوظ ہو جائے۔(۲۲)

قاضی ابوعبید قاسم بن سلام نے اہل نجران کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معاہدے کی درج ذیل شق نقل کی ہے: ''اہل نجران کے تمام افراد کو اپنے اموال، جانوروں، زمینوں، مذہبی معاملات، عبادت گاہوں اور ان کے قبضے میں تمام کم یا زیادہ اشیاء سب کے باب میں اللہ کی نگہبانی اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داری حاصل ہوگی''۔(۲۳)

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ جابیہ میں تھے کہ ایک ذمی نے آ کر ان کو خبر دی کہ لوگوں نے ان کا انگوروں کا باغ تباہ کر ڈالا۔ آپؓ خود تحقیق کے لیے بڑھے تو دیکھا کہ آپؓ کے ساتھیوں میں سے ایک صاحب ڈھال میں انگور لیے جا رہے ہیں۔

فرمایا: اچھا! آپ بھی ہیں۔انہوں نے جواب دیا: امیر المومنین! بھوک نے ستایا تھا اس وجہ سے یہ حرکت ہوگئی۔آپؓ نے فوراً حکم دیا کہ باغ والے کو اس کے انگوروں کی قیمت ادا کر دی جائے۔(۲۴)

صعصعہؒ سے روایت ہے کہ میں نے ابن عباسؓ سے پوچھا کہ ہم لوگ جب اہلِ ذمہ کی بستیوں سے گزرتے ہیں تو ان کی چیزوں میں سے کبھی کوئی چیز لے لیتے ہیں۔انہوں نے پوچھا: بلا قیمت؟ میں نے کہا ہاں بلا قیمت۔ابن عباسؓ نے فرمایا کہ تم اس بارے میں کیا کہتے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ ہم کہتے ہیں کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔انہوں نے فرمایا کہ تم لوگ وہی بات کہتے ہو جو اہلِ کتاب کہتے ہیں:

لَیْسَ عَلَیْنَا فِی الْاُمِّیّٖنَ سَبِیْلٌ ۚ وَ یَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰہِ الْکَذِبَ وَ ھُمْ یَعْلَمُوْنَ ○ (آل عمران:۷۵)

’’ہمارے لیے امیوں (غیر اہل کتاب) کا مال کھا جانے میں حرج نہیں اور وہ اللہ پر جان بوجھ کر بہتان لگاتے ہیں۔‘‘(۲۵)

مذکورہ آثار و روایات سے پتا چلتا ہے کہ اہل ذمہ کے اموال کا تحفظ ویسے ہی ضروری ہے جیسے عام مسلمانوں کی املاک کا، اگر کسی طرح بھی انہیں کوئی نقصان پہنچتا ہے تو ریاست اس کی ذمہ دار ہوگی۔

سماجی انصاف کی فراہمی:

کسی بھی معاشرے یا ریاست کے استحکام کے لیے ضروری ہے کہ اس میں سماجی انصاف کا بول بالا ہو۔اس کی فراہمی معاشرے کے مخصوص افراد یا کسی خاص طبقہ تک محدود نہ ہو، بلکہ معاشرے کے ادنیٰ سے ادنیٰ فرد تک بھی اس کی رسائی ہو۔اسلام کی سماجی انصاف سے متعلق تعلیمات اہلِ اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ریاست کا ہر شہری اس میں شامل ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُھَدَآءَ لِلّٰہِ وَ لَوْ عَلٰٓی اَنْفُسِکُمْ اَوِ الْوَالِدَیْنِ وَ الْاَقْرَبِیْنَ... (النساء:۱۳۵)

’’اے ایمان والو! انصاف پر قائم رہو اور اللہ کے لیے سچی گواہی دو خواہ (اس میں) تمہارا یا تمہارے ماں باپ اور رشتہ داروں کا نقصان ہی ہو۔‘‘

ایک دوسری جگہ ارشاد ہے:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰہِ شُھَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۫ وَ لَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۟ ھُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی ۫ وَ اتَّقُوا اللّٰہَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ○ (المائدۃ:۸)

’’اے ایمان والو! اللہ کے لیے انصاف کی گواہی دینے کے لیے کھڑے ہو جایا کرو۔اور لوگوں کی دشمنی تم کو اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ انصاف چھوڑ دو۔انصاف کیا کرو کہ یہی پرہیزگاری کی بات

ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو، کچھ شک نہیں کہ اللہ تمہارے سب اعمال سے خبردار ہے۔“

اسلام نے حاکم کو جہاں اختیارات تفویض کیے ہیں وہی احساس مسئولیت بھی اجاگر کیا ہے۔ ہر شخص اپنے ماتحت سے متعلق معاملے پر اللہ کے سامنے جواب دہی کے لیے پیش ہوگا جہاں اسے اپنے ہر عمل کا حساب دینا ہوگا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتة، والامام راع ومسئول عن رعیته(۲۶)

حکام سے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

”جس شخص کو بھی اللہ کسی رعایا پر نگہبان مقرر کرتا ہے اور وہ ان کے ساتھ بھلائی والا معاملہ نہیں کرتا، وہ قیامت کے دن جنت کی خوشبو بھی نہ پائے گا۔(۲۷)

اسلام میں سماجی انصاف سے متعلق جتنے بھی احکامات دیے گئے ہیں وہ ہر قسم کی تمیز وتخصیص سے بالاتر ہیں۔ان میں کسی مذہب یا قوم وقبیلے کی تخصیص نہیں بلکہ وہ سب کو شامل ہیں۔ایک موقع پر جب قبیلہ مخزوم کی ایک خاتون فاطمہ نے چوری کرلی اور اس کے خاندان نے اسامہ بن زیدؓ سے گزارش کی کہ آپؓ اس حوالے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سفارش کریں کہ وہ ان کی سزا میں تخفیف کردے، جب اسامہؓ نے آپؐ کے پاس آکر اس عورت کے حوالے سے سفارش کی تو آپؐ نے فرمایا:”تم سے پچھلے لوگ صرف اس وجہ سے ہلاک ہوئے کہ جب ان میں کوئی امیر ومعزز شخص چوری کرتا تو وہ اس کی حد ساقط کردیتے اور جب کوئی غریب وکمزور شخص چوری کرتا تو وہ اس پر حد نافذ کرتے،اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے،اگر میری بیٹی فاطمہؓ بھی چوری کرتی تو میں اس کے ہاتھ کاٹتا۔(۲۸)

حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں ایک مصری آپؓ کے پاس شکایت لے کر آیا کہ عمرو بن عاصؓ (حاکم مصر) کے بیٹے محمد نے مجھے برسرعام کوڑے مارے ہیں۔سبب اس کا یہ تھا کہ عمرو بن عاصؓ نے ایک گھڑسواری کا مقابلہ کروایا تھا جس میں ان کے بیٹے محمد پر میں سبقت لے گیا جس پر وہ میرے پاس آیا اور کوڑے برسانے لگا۔ساتھ ساتھ یہ بھی کہتا کہ تو اسی کا مستحق ہے جبکہ میں تو ابن الاکرمین ہوں۔حضرت عمرؓ نے یہ سن کر عمرو بن عاصؓ کو مصر سے بلانے کے لیے حکم نامہ جاری فرمایا اور کہا کہ اپنے بیٹے کو بھی ساتھ لائیے گا۔جب عمرو بن عاصؓ اپنے بیٹے کے ہمراہ تشریف لا چکے تو آپؓ نے اس شخص کو کوڑا دیا اور فرمایا کہ:”**دونک الدرة، فاضرب ابن الاکرمین، اضرب ابن الاکرمین**“ (یہ لو کوڑا اور اس ابن الاکرمین کو مارو) اور پھر مزید فرمایا کہ ”**متی استعبدتم الناس وقدولدتھم امھاتم احرارا**“(تم نے لوگوں کو کب سے غلام بنانا شروع کردیا ہے حالانکہ ان کی ماؤں نے تو انہیں آزاد جنا تھا۔)(۲۹)

سماجی انصاف کے قیام کی یہی وہ تاکید تھی جس کی وجہ سے حضرت عمرؓ انسان تو انسان جانوروں کی بابت بھی یہ فرماتے تھے کہ:”**لو مات جمل ضیاعا علی شط الفرات لخشیت ان یسالنی اللہ عنه**“ (اگر فرات کے کنارے ایک

اونٹ بھی پیاسا مر جائے تو مجھے ڈر ہے کہ اللہ اس کی بابت مجھ سے پوچھے گا۔)(۳۰)

چند لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ سماجی انصاف قائم کیے بغیر چند عبادات کے قیام سے ریاست کو استحکام اور معاشرے کو مکمل تباہی سے بچایا جاسکتا ہے۔ درحقیقت یہ ایسی غلط فہمی ہے جس نے امت مسلمہ کو آج تباہی کی اس دہلیز پر پہنچا دیا ہے جس سے واپسی کا بظاہر کوئی راستہ دکھائی نہیں دیتا۔ آج اکثر و بیشتر اسلامی ممالک میں یہی دیکھنے میں آیا ہے کہ ریاستیں عبادات کے قیام کے لیے تو کسی حد تک فضا ہموار کرتی ہے لیکن سماجی انصاف کو پنپنے اور نظام کی اصلاح کرنے کو تیار نہیں۔ درحقیقت یہ روش دین کی روح کے منافی ہے۔ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

ان اللہ یقیم الدولة العادلة وان کانت کافرة، ولایقیم الدولة الظالمة وان کانت مسلمة، الدنیا تدوم مع العدل والکفر ولاتدوم مع الظلم والاسلام(۳۱)

''اللہ عدل وانصاف والی حکومت کو باقی رکھتا ہے اگرچہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو۔ ظالم حکومت کو باقی نہیں رکھتا اگرچہ وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہو۔ دنیا میں استحکام عدل وکفر کے ساتھ تو ہوسکتا ہے لیکن ظلم واسلام کے ساتھ نہیں۔''

دینی معاملات میں آزادی:

مذہب کا اختیار ہر انسان کا بنیادی حق ہے۔ اس میں کسی طور پر بھی جبر واکراہ سے کام نہیں لیا جاسکتا۔ اللہ نے انسان کو عقل و رشد کی دولت سے نوازا ہے جس کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ انسان اسے حق تک پہنچنے کے لیے استعمال کرے۔ بطور اشرف المخلوقات انسان اتنا مکرم ہے کہ وہ ہر مسلک و مذہب کو اپنانے کی پوری آزادی رکھتا ہے۔ یہ اس کی شان کے خلاف ہے کہ اسے کسی مسلک و مذہب کے اپنانے پر مجبور کیا جائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۣ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۤ لَا انْفِصَامَ لَهَا ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ (البقرۃ:۲۵۶)

''دین (کے معاملے) میں کوئی زورزبردستی نہیں ہے۔ ہدایت (صاف طور پر ظاہر اور) گمراہی سے الگ ہوچکی ہے۔ تو جس شخص نے طاغوت [یعنی جھوٹے معبودوں] کا انکار کیا اور اللہ پر ایمان لایا، اس نے ایسی مضبوط رسی ہاتھ میں پکڑ لی ہے جو کبھی ٹوٹنے والی نہیں اور اللہ (سب کچھ) سنتا (اور سب کچھ) جانتا ہے۔''

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ (یونس:۹۹)

''تو کیا تم لوگوں پر زبردستی کرنا چاہتے ہو کہ وہ مومن ہوجائیں؟''

حافظ ابن کثیرؒ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ''اس کا مفہوم یہ ہے کہ کسی کو اسلام میں داخل ہونے پر مجبور نہ کرو کیونکہ اسلام تو روزِ روشن کی طرح واضح دین ہے۔اس کے دلائل و براہین نہایت واضح ہیں۔وہ ہرگز اس بات کا محتاج نہیں کہ کسی کو اس کے اپنانے پر مجبور کیا جائے۔(۳۲)

مسلمان صرف اس بات کا مکلّف ہے کہ وہ غیر مسلموں کو دعوت دے، اب یہ ان کی مرضی ہے کہ وہ اسے قبول کرتے ہیں یا نہیں۔حضرت عمرؓ کے بارے میں آتا ہے کہ آپؓ نے ایک بوڑھی عیسائی خاتون کو اسلام کی دعوت دی اور کہا کہ اسلام لے آؤ محفوظ ہو جاؤ گی۔یقیناً اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے۔وہ عورت کچھ سوچ کر بولنے لگی کہ میں تو اب (موت کے) قریب ہی ہوں۔(مطلب اب کیا فائدہ) آپؓ نے فرمایا اے اللہ تو گواہ ہو جا۔(۳۳)

بعض روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ پھر آپؓ نے یہ آیات تلاوت کی کہ دین میں جبر و زبردستی نہیں۔(۳۴)

عہد نبویؐ اور بعد کے ادوار میں نہ صرف اہل کتاب کو اپنے مذہب پر باقی رہنے کی اجازت دی گئی بلکہ انہیں اپنے تمام مذہبی شعائر اپنانے کی اجازت بھی دی گئی بس اس شرط کے ساتھ کہ وہ مسلمانوں کے اجتماعی معاملات میں مخل نہ ہوں۔

اہلِ نجران کے ساتھ طے پانے والے معاہدے میں آپؐ نے تحریر کیا تھا کہ ''ہر وہ چیز جو ان کی ملکیت میں ہے وہ انہیں کے پاس رہے گی۔ان کے لیے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پناہ ہے۔کسی راہب کو اس کی رہبانیت اور کاہن کو اس کی کہانت سے زبردستی نہیں ہٹایا جائے گا۔(۳۵)

اہلِ ایلیاء کے ساتھ جو معاہدہ حضرت عمرؓ نے کیا تھا وہ بھی کچھ اسی نوعیت کا تھا۔اس کا متن یہ ہے کہ " عمرؓ امان دیتے ہیں اہل ایلیاء کو ان کی جانوں کا، اموال کا، عبادت گاہوں کا اور ان کے تمام افراد کا۔نہ ان کی عبادت گاہوں کو بے آباد کیا جائے گا، نہ انہیں گرایا جائے گا اور نہ ان کا کوئی حصہ لیا جائے گا۔وہ اپنے مذہب پر عمل کرنے میں آزاد ہوں گے۔انہیں دین کے حوالے سے کسی طرح بھی مجبور نہیں کیا جائے گا اور نہ انہیں کسی قسم کی بیجا تکلیف دی جائے گی۔(۳۶)

ابن خلدونؒ تاریخ طبری سے یہ واقعہ نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ: ''پھر حضرت عمرؓ بیت المقدس میں داخل ہوئے اور قمامہ گرجا گھر کے صحن میں آکر بیٹھ گئے۔جب نماز کا وقت قریب ہوا تو راہب سے کہا کہ مجھے نماز پڑھنی ہے۔راہب نے جواب دیا کہ جہاں کھڑے ہیں وہیں ادا کر لیجیے۔آپؓ نے نماز وہاں نہیں پڑھی بلکہ دروازہ کے قریب سیڑھیوں کے پاس جا کر اکیلے ادا کی۔جب نماز سے فارغ ہوئے تو راہب کو مخاطب کر کے کہنے لگے کہ:''**لو صليت داخل الكنيسة اخذها المسلمون بعدی**'' اگر میں کنیسہ کے احاطے میں ہی نماز پڑھ لیتا تو مسلمان اس جگہ کو بعد میں مسجد بنا لیتے کہ یہاں تو عمرؓ نے نماز پڑھی تھی۔پھر آپؓ نے تحریر کروا دیا کہ مسلمانوں کو اس بات کی اجازت نہیں کہ وہ یہاں سیڑھیوں کے پاس نماز با جماعت ادا کریں یا اذان دیں۔(۳۷)

مذکورہ بالا واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ مسلمان حکام نے غیر مسلموں کو اس حوالے سے کس حد تک آزادی دی تھی۔

خالد بن ولیدؓ نے اہل عانات سے یہ معاہدہ کیا تھا کہ ''وہ نماز کے اوقات کے سوا روز وشب کے جس حصے میں چاہیں اپنے ناقوس بجا سکتے ہیں اور اپنے تہوار کے دنوں میں صلیب لے کر نکل سکتے ہیں''۔(۳۸)

غیر مسلموں کی عبادت گاہوں سے متعلق عبداللہ بن عباسؓ کا فتویٰ ہے کہ ''جن شہروں کو مسلمانوں نے آباد کیا ہے ان میں ذمیوں کو یہ حق نہیں کہ وہ نئے معابد اور کنائس تعمیر کریں یا ناقوس بجائیں۔ یا علانیہ شراب اور سور کا گوشت بیچیں۔ باقی رہے وہ شہر جو عجمیوں کے آباد کیے ہوئے ہیں اور جن کو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے ہاتھ پر فتح کیا ہے اور انہوں نے مسلمانوں کے حاکم کی اطاعت قبول کر لی ہے تو عجم کے لیے وہی حقوق ہیں جو ان کے معاہدے میں طے ہو جائیں اور مسلمانوں پر ان کا ادا کرنا لازم ہے۔(۳۹)

اہلِ ذمہ کے معاشرتی معاملات سے متعلق امام مالکؒ کا فتویٰ ہے کہ ''اہلِ ذمہ میں سے اگر کوئی زنا کرے یا شراب پی لے تو مسلمان حاکم کسی طور پر بھی ان کا مواخذہ کرنے کا اہل نہ ہوگا ماسوائے اس کے کہ وہ اسلامی معاشروں میں یہ کریں اور مسلم معاشرے کو اس سے نقصان پہنچے۔اس صورت میں حاکم انہیں روکنے اور توبیخ کرنے کا مجاز ہوگا''۔(۴۰)

ادیانِ عالم میں جتنی مذہبی آزادی اسلام نے دی ہے شاید ہی کوئی اور دین اس کے برابر ہو۔اس بات کا اعتراف نہ صرف مسلم مؤرخین نے کیا ہے بلکہ بہت سے مغربی مؤرخین نے بھی اس بات کا برملا اظہار کیا ہے کہ ادیان عالم میں اسلامی مذہبی رواداری کی کوئی نظیر نہیں۔معاصر فرانسیسی مؤرخ گوستاف لوبون (Gustave Le Bon) کا کہنا ہے ''محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود و نصاریٰ کے ساتھ عظیم مسامحت والا معاملہ کیا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے والے ادیان کے بانیوں کی طرف سے یہ تسامح کبھی بھی دیکھنے میں نہیں آیا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفا بھی اسی طریقے پر چلے۔آگے مزید فرماتے ہیں کہ: ''بہت سے مغربی مؤرخین کو اس بات کا اعتراف ہے کہ مسلمان ہی وہ قوم ہیں جنہوں نے دیگر ادیان کے ماننے والوں کے لیے اپنی دینی غیرت اور باہمی مذہبی رواداری کو جمع کیے رکھا۔ایک طرف تو وہ اپنے دین کو پھیلانے میں بے حد فعال تھے جبکہ دوسری جانب انہوں نے دیگر ادیان کے ماننے والوں کو (جنہوں نے اسلام قبول نہ کیا تھا) کھلی آزادی دے رکھی تھی اپنی مذہبی تعلیمات پر عمل کرنے کی''۔(۴۱)

برطانوی ماہر تعلیم اور مورخ آرنلڈ تھوماس (ArnoldThomas) لکھتے ہیں ''یقیناً مسلمانوں نے پہلی صدی ہجری کے آخر دور حکومت تک عیسائیوں کے ساتھ عظیم رواداری والا برتاؤ کیا ہے۔ہم یہ بات کہنے میں حق بجانب ہیں کہ جن مسیحی قبائل نے بھی اسلام قبول کیا ہے انہوں نے برضا وخوشی اسے قبول کیا ہے نہ کہ کسی دباؤ کے تحت۔عرب عیسائیوں کا آج مسلمانوں کے مختلف علاقوں میں دورِ اوّل سے لے کر اب تک رہنا اس بات کی سب سے بڑی گواہی ہے''۔(۴۲)

تمدنی اور معاشرتی آزادی:

اقلیات کے لیے اسلام میں آزادی ان کی مذہبی رسوم تک محدود نہیں بلکہ انہیں پوری اجازت ہے کہ وہ اپنے شخصی، نجی یا

عائلی معاملات اپنے درمیان اپنے مروجہ مذہب یا عادت کے مطابق طے کریں۔ روزِ اوّل سے غیر مسلم اسلامی ریاستوں میں مقیم رہے ہیں، انہیں کبھی بھی ان کے شخصی معاملات میں اسلامی قانون پر عمل کرنے پر مجبور نہیں کیا گیا ماسوائے اس صورت میں کہ معاملے کا کوئی فریق مسلم ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَاِنْ جَآءُوْکَ فَاحْکُمْ بَیْنَھُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْھُمْ ج وَ اِنْ تُعْرِضْ عَنْھُمْ فَلَنْ یَّضُرُّوْکَ شَیْئًا ط وَ اِنْ حَکَمْتَ فَاحْکُمْ بَیْنَھُمْ بِالْقِسْطِ ط اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَo وَ کَیْفَ یُحَکِّمُوْنَکَ وَ عِنْدَھُمُ التَّوْرٰۃُ فِیْھَا حُکْمُ اللّٰہِ ثُمَّ یَتَوَلَّوْنَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِکَ ط وَمَآ اُولٰٓئِکَ بِالْمُؤْمِنِیْنَo (المائدۃ:۴۲۔۴۳)

''اگر یہ تمہارے پاس (کوئی مقدمہ فیصل کرانے کو) آئیں تو تم ان میں فیصلہ کر دینا یا اعراض کرنا۔ اور اگر ان سے اعراض کرو گے تو وہ تمہارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکیں گے۔ اور اگر فیصلہ کرنا چاہو تو انصاف کا فیصلہ کرنا کہ اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ اور یہ تم سے (اپنے مقدمات) کیونکر فیصل کرائیں گے جب کہ خود ان کے پاس تورات (موجود) ہے جس میں اللہ کا حکم (لکھا ہوا) ہے (یہ اسے جانتے ہیں) پھر اس کے بعد اس سے پھر جاتے ہیں اور یہ لوگ ایمان ہی نہیں رکھتے۔''

مذکورہ آیت میں اختیار اقلیتوں کو دیا گیا ہے کہ وہ خود کیا فیصلہ کرتے ہیں۔ وہ اپنے مروجہ قوانین کے مطابق فیصلہ چاہتے ہیں یا اسلامی عدالت کا رخ کرتے ہیں؟ انہیں کسی صورت میں بھی مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ ایک دفعہ اسی حوالے سے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے سیدنا حسن بصریؒ سے دریافت کیا کہ کیا وجہ ہے کہ خلفائے راشدین نے اہل ذمہ کو محارم سے نکاح اور شراب وسؤر کے معاملے میں آزاد چھوڑ دیا ہے؟ آپؒ نے جواب ارشاد فرمایا کہ:''انما بذلوا لیترکوا وما یعتقدون. وانما انت متبع ولا مبتدع'' (۴۳) (انہوں نے جزیہ دینا قبول ہی اس لیے کیا ہے کہ انہیں ان کے عقیدے کے مطابق زندگی بسر کرنے کی آزادی دی جائے۔ آپؒ کا کام پچھلے طریقے کی پیروی کرنا ہے نہ کہ کوئی نیا طریقہ ایجاد کرنا۔)

عہد نبویؐ میں اقلیتوں کو پورا اختیار تھا کہ وہ اپنے نجی معاملات میں اپنے قوانین کے مطابق فیصلہ کریں۔ انہیں یہ اختیار میثاق مدینہ کے موقع پر ہی دے دیا گیا تھا۔ اگر وہ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے فیصلہ کروانا چاہیں تو یہ ان کی صوابدید پر تھا۔ ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں ''یہود کے ایک مرد و عورت نے زنا کیا۔ ان میں سے کچھ لوگ کہنے لگے کہ ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس معاملے کو لے کر چلتے ہیں۔ وہ ویسے ہی نرمی و آسانی کے ساتھ بھیجے گئے ہیں۔ اگر رجم کے علاوہ انہوں نے کوئی اور سزا تجویز کی تو وہ اسے قبول کر لیں گے اور اللہ کے ہاں دلیل دیں گے کہ ہم نے تیرے بھیجے ہوئے نبی کے فیصلے پر عمل کیا تھا۔ جب وہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے استفسار کیا کہ تم اس معاملے سے

متعلق تورات میں کیا حکم پاتے ہو؟ وہ کہنے لگے کہ مجرم کا منہ کالا کرکے اسے سرعام رسوا کیا جائے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ بات منکشف ہوگئی کہ تورات میں ان کی سزا رجم ہے تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ میں بھی وہی سزا تجویز کروں گا جو تورات میں ہے۔ پھر انہیں رجم کردیا گیا''۔(۴۴)

مذکورہ واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اقلیتوں کو اپنے شخصی معاملات میں مکمل اختیار تھا کہ وہ خود اپنے قوانین کے مطابق فیصلہ کریں یا اسلامی عدالت کا رخ کریں۔ اسی آزادی کے سبب بہت سے ادوار میں نصاریٰ کے لیے خاص عدالتیں قائم کی گئیں جن کے قاضی عیسائی ہوتے تھے۔ اسی طرح کی ایک عدالت اندلس میں بھی تھی جس کے قاضی ''قاضی العجم'' کے لقب سے جانے جاتے تھے۔(۴۵)

اسلامی ریاست میں عیسائی عدالت اور اس کے عیسائی قاضی سے متعلق ابوالحسن ماوردی رحمہ اللہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں:

یجوز تقلیده القضاء بین اهل دینة، وهذا وان کان عرف الولاة بتقلیده جاریاً فهو تقلید زعامة ورئاسة ولیس بتقلید حکم وقضاء، وانما یلزمهم حکمه لالتزامهم له لالزومه لهم، ولایقبل الامام قوله فیما حکم بینهم، واذا امتنعوا من تحاکمهم الیه لم یجبروا علیه، وکان حکم الاسلام علیهم انفذ(۴۶)

اسلامی تاریخ میں بہت سے موقعوں پر یہ بھی ہوا کہ اقلیتوں نے مسلم قاضی پر مکمل اعتماد اور بھروسا کیا، اور اپنے ہر معاملے میں اس کو فیصل ٹھہرایا۔ ابوعمر الکندی نے اس حوالے سے اپنی کتاب ''الولاة والقضاة'' میں قاضی خیر بن نعیم الحضرمی اور قاضی محمد بن مسروق کا نام خصوصی طور پر ذکر کیا ہے۔(۴۷)

اقلیتوں کی شخصی معاملات میں آزادی سے متعلق ڈاکٹر یوسف قرضاوی حفظہ اللہ رقم طراز ہیں: "اسلام غیر مسلموں کے اموال واملاک کی اس حد تک رعایت کرتا ہے کہ ان اشیا کو بھی محترم گردانتا ہے جسے وہ لوگ اپنے دین کی رو سے مال سمجھتے ہوں۔ اگرچہ مسلمانوں کی نظر میں وہ مال کی تعریف پر پوری نہ اترتی ہو۔ چنانچہ شراب اور خنزیر مسلمانوں کے نزدیک مال نہیں سمجھے جاتے لہٰذا اگر کوئی شخص کسی مسلمان کی شراب تلف کردے یا اس کے خنزیر کو ہلاک کردے تو اس پر نہ تو کوئی جرمانہ ہے، نہ اس کے خلاف کوئی تادیبی کارروائی کی جاسکتی ہے، بلکہ وہ اس پر اجر وثواب کا مستحق سمجھا جائے گا کیونکہ اپنے دین کے لحاظ سے اس کی نیت ایک برائی کا خاتمہ کرنا تھی جو اس پر حسب استطاعت واجب یا مستحب ہے۔ علاوہ ازیں کسی مسلمان کے لیے یہ اشیا اپنے پاس رکھنا یا دوسروں کو فروخت کرنا جائز نہیں۔ لیکن فقہائے احناف کی تصریح کے مطابق غیر مسلم کی ملکیت میں شراب یا خنزیر اس کی نظر میں تو بہترین مال کی حیثیت رکھتے ہیں، لہٰذا جو شخص ذمی کو ان سے محروم کرے گا وہ ان کی قیمت ادا کرنے کا پابند ہے''۔(۴۸)

معاشی آزادی:

جس طرح ریاست کا ایک عام فرد اپنے معاشی معاملات میں آزاد ہوا کرتا ہے۔ایسے ہی اقلیات سے وابستہ افراد اپنے تمام معاشی معاملات میں ہر طرح سے آزاد ہیں۔انہیں ہر وہ آزادی حاصل ہے جو ریاست کے کسی عام مسلم باشندے کو حاصل ہے اور ہر وہ چیز ان کے لیے ممنوع ہے جو عام مسلمانوں کے لیے ممنوع ہے ماسوائے اس کے کہ وہ مسلم معاشرے سے بالکل الگ تھلگ ہو کر رہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اہلِ نجران سے معاہدہ کیا تو جہاں انہیں بہت سی رخصتیں عطا کیں وہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے یہ بھی کہا کہ:"اما ان تذروا الربا واما ان تاذنوا بحرب من اللہ و رسولہ"۔(۴۹) (یا تو سود سے باز آجاؤ یا پھر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ۔)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَّ اَخۡذِهِمُ الرِّبٰوا وَ قَدۡ نُهُوۡا عَنۡهُ وَ اَكۡلِهِمۡ اَمۡوَالَ النَّاسِ بِالۡبَاطِلِ... (النساء:۱۶۱)

"اور اس سبب سے بھی کہ باوجود منع کیے جانے کے سود لیتے تھے اور اس سبب سے بھی کہ لوگوں کا مال ناحق کھاتے تھے۔"

ابوبکر جصاص فرماتے ہیں:"فسویٰ بینهم وبین المسلمین فی المنع من الربا". (سود کی ممانعت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمان اور غیر مسلمان کا امتیاز نہیں رکھا اس آیت میں۔)(۵۰)

مذکورہ آیت کی روشنی میں یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ ہر وہ لین دین جو اپنے اجتماعی منفی اثرات کی وجہ سے اسلام میں ممنوع قرار دیا گیا ہے وہ اقلیات کے لیے بھی ممنوع ہے۔اگر اسے جائز قرار دے دیا جائے تو اس کے اجتماعی طور پر اتنے زیادہ منفی اثرات مرتب ہوں گے جن کا تدارک کسی طور پر بھی ممکن نہ ہو پائے گا۔

ریاستی ملازمتوں میں اقلیتوں کا حصہ:

ریاستی ملازمتوں میں ان مناصب کو چھوڑ کر جو انتہائی حساس اور اہم ہیں ہر ملازمت میں اقلیتوں کے لوگ برابر کے حقدار ہیں۔ریاست اس حوالے سے کسی قسم کے امتیاز کرنے کی مجاز نہیں۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّخِذُوۡا بِطَانَةً مِّنۡ دُوۡنِكُمۡ لَا يَاۡلُوۡنَكُمۡ خَبَالًا ؕ وَدُّوۡا مَا عَنِتُّمۡ ۚ قَدۡ بَدَتِ الۡبَغۡضَآءُ مِنۡ اَفۡوَاهِهِمۡ ۚ وَمَا تُخۡفِىۡ صُدُوۡرُهُمۡ اَكۡبَرُ ؕ قَدۡ بَيَّنَّا لَكُمُ الۡاٰيٰتِ اِنۡ كُنۡتُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ۝ (آل عمران:۱۱۸)

"اے ایمان والو! کسی غیر (مذہب کے آدمی) کو اپنا راز دار نہ بنانا یہ لوگ تمہاری خرابی (اور فتنہ انگیزی کرنے) میں کسی طرح کی کوتاہی نہیں کرتے اور چاہتے ہیں کہ (جس طرح ہو) تمہیں

تکلیف پہنچے۔ان کی زبانوں سے تو دشمنی ظاہر ہو ہی چکی ہے۔اور جو (کینے) ان کے سینوں میں مخفی ہیں وہ کہیں زیادہ ہیں۔اگر تم عقل رکھتے ہو تو ہم نے تم کو اپنی آیتیں کھول کھول کر سنا دی ہیں۔'' (اِن آیات کا تعلق عام غیر مسلم رعایا سے نہیں ہے۔یہ چند مخصوص غیر مسلموں سے متعلق ہے، مدیر)

حساس اور اہم مناصب کے متعلق مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں:

ان سے مراد ایسے مناصب ہیں جو اسلام کے اصولی نظام میں کلیدی حیثیت رکھتے ہیں۔ان مناصب کی فہرست کافی غور وخوض کے بعد ماہرین کی ایک جماعت بنا سکتی ہے۔ہم ایک قاعدہ کلیہ کے طور پر صرف یہ کہہ سکتے ہیں کہ جن خدمات کا تعلق پالیسیوں کی تشکیل اور محکموں کی رہنمائی سے ہے وہ سب کلیدی اہمیت رکھنے والی خدمات ہیں۔اور ایک اصولی نظام میں ایسی خدمات صرف انہی لوگوں کو دی جاسکتی ہے جو اس کے اصولوں پر اعتقاد رکھتے ہوں۔ان خدمات کو مستثنیٰ کرنیکے بعد باقی نظم ونسق میں بڑے سے بڑے عہدوں پر اہلِ ذمہ اپنی اہلیت کے لحاظ سے مقرر کیے جاسکتے ہیں۔مثلاً کوئی چیز ان میں سے کسی شخص کے اکاؤنٹنٹ جنرل یا چیف انجینئر یا پوسٹ ماسٹر جنرل بنائے جانے میں مانع نہیں ہے۔(۵۱)

مسلمانوں کی اس حوالے سے رواداری کے متعلق ڈاکٹر یوسف قرضاوی رقم طراز ہیں: مسلمان جس حد تک روادار تھے اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ فقہا (مثلاً ماوردی کی الاحکام السلطانیہ میں تصریح) کے مطابق ایک ذمی کو وزارت تنفیذ تک دی جاسکتی ہے۔وزیرِ تنفیذ حاکم کے حکم کو متعلقہ افراد تک پہنچا کر انہیں عملی جامہ پہناتا اور انہیں نافذ کرتا تھا۔اس کے برخلاف وزارتِ تفویض ایک ایسا شعبہ تھا جس میں حاکم سیاسی، اداری اور معاشی امور وزیر کے سپرد کر دیتا تھا تاکہ وہ انہیں اپنی رائے کے مطابق چلائے۔عباسیوں کے زمانے میں بعض عیسائی متعدد بار عہدہ وزارت پر براجمان ہوئے۔مثلاً نصر بن ہارون ۳۶۹ھ اور عیسیٰ بن نسطورس ۳۸۰ھ میں وزیر بنے۔اس سے پہلے معاویہ بن ابی سفیان کا ایک عیسائی کاتب تھا جس کا نام سرجون تھا''۔(۵۲)

کمزوروں کی کفالت:

اسلامی ریاست کے فرائض میں سے ہے کہ وہ اقلیتوں کے کمزور لوگوں کی فلاح و بہبود کے لیے خاطر خواہ اقدامات کرے۔وہ ریاست کے باشندے ہونے کے ناطے اس کے اتنے ہی حق دار ہیں جتنا کوئی اور باشندہ۔اگر ریاست ان کی جان و مال کی توانائی سے ان کے اچھے دنوں میں فائدہ حاصل کرسکتی ہے تو یہ بھی ضروری ہے کہ ان کے دورِ بدحالی میں ان کے ساتھ تعاون کرے۔ارشاد نبویؐ ہے:

من لایرحم الناس لایرحمه الله(۵۳)

''جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا اللہ بھی اس پر رحم نہیں کرتا۔''

مذکورہ حدیث کی شرح میں ابن بطال فرماتے ہیں: ان احادیث میں خلق خدا پر رحم کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ چاہے وہ مسلمان ہو، کافر ہو یا حیوان ہو۔ضروری ہے کہ ان کے ساتھ نرمی برتی جائے۔اس نرمی ورحم کے سبب اللہ گناہوں کو معاف اور غلطیوں کو مٹاتا ہے۔ ہر مومن عاقل کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس نیکی میں اپنا زیادہ سے زیادہ حصہ ڈالے اور ہم جنس انسانوں سے اچھے رحم دلانہ سلوک سے پیش آئے۔یقیناً جو اس کے ماتحت ہے قیامت کے دن اس کی بابت اس سے ضرور پوچھا جائے گا۔(۵۴)

اسلام عام صدقات وزکوٰۃ کے مصرف کے حوالے سے کسی قسم کی قید عائد نہیں کرتا۔ ہر شخص جو اس علاقے کا مکین اور بے حال ہے وہ اس کا مستحق ہے۔صدقہ فطر کے حوالے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

زكاة الفطر طهرة للصيام من اللغو والرفث وطعمة للمساكين مساكين اهل كتاب(۵۵)

حضرت عمرؓ کے بارے میں آتا ہے کہ آپؓ ایک بار مدینہ کے داخلی دروازے سے گزر رہے تھے تو دیکھا کہ ایک نابینا بوڑھا شخص بھیک مانگ رہا ہے۔آپؓ نے اسے اپنی طرف متوجہ کر کے پوچھا کہ تم کون ہو؟ کہنے لگا میں یہودی ہوں۔ پھر آپؓ نے اس سے پوچھا کہ یہ حلیہ کیسا ہے تمہارا؟ کہنے لگا کہ میں لوگوں سے بھیک مانگتا ہوں اپنا جزیہ ادا کرنے، اخراجات پورے کرنے اور بڑھاپے کی وجہ سے۔آپؓ نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اسے اپنے گھر لے آئے اور اسے بہت سارا سامان دیا پھر بیت المال کے خازن کے نام لکھا کہ یہ اور اس کی طرح کے جتنے لوگ ہیں سب کا خیال رکھو۔ یہ انصاف نہیں کہ حکومت ان کی جوانی سے تو فائدہ اٹھائے لیکن بڑھاپے میں انہیں ذلیل کرے۔ پھر آپؓ نے یہ آیت تلاوت کی:

''یقیناً صدقات تو فقراء ومساکین کے لیے ہیں''۔ پھر فرمایا کہ فقراء تو مسلمانوں سے ہیں لیکن مساکین اہل کتاب سے ہیں۔ پھر آپؓ نے ان جیسے محتاج لوگوں سے جزیہ ساقط فرمادیا۔(۵۶)

اسی طرح ایک مرتبہ شام کے علاقے جابیہ سے واپسی پر آپؓ کا گزر جذام میں مبتلا کچھ عیسائیوں کے پاس سے ہوا۔جب آپؓ نے ان کی یہ تکلیف دہ حالت دیکھی تو صدقات سے ان کی مدد کرنے اور ان کی خوراک کا مستقل بندوبست کرنے کا حکم جاری فرمادیا۔(۵۷)

امام اوزاعی فرماتے ہیں کہ پھر حضرت عمرؓ نے یہ مستقل حکم دے دیا تھا کہ:''**من لم يطق منهم فخففوا عنه، ومن عجز فاعينوه**''(۵۸)(جو طاقت نہیں رکھتا اسے تخفیف دی جائے اور جو عاجز آجائے اس کی مدد کی جائے۔)

خالد بن ولیدؓ نے اہل حیرہ سے جو معاہدہ کیا تھا اس میں یہ درج تھا کہ ''میں نے ان سے یہ معاہدہ کیا ہے کہ ان کا کوئی بھی شخص جو بزرگی کی وجہ سے کام سے عاجز آگیا ہو، یا جسے کسی آفت نے آن لیا ہو یا وہ شخص جو مالدار ہونے کے بعد فقیر ہو گیا ہو اور اس کے اہلِ مذہب اس کے ساتھ تعاون نہ کرتے ہوں، ان میں سے کسی صورت میں بھی اس شخص پر سے جزیہ

ساقط اور بیت المال سے اس کی کفالت کی جائے گی(۵۹)۔عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنے حاکم عدی بن ارطاۃ کو لکھا تھا کہ:
''تم اپنے قرب وجوار کے معاہدین کے لیے جو بوڑھے ہوگئے ہیں یا کمزور ہیں، بیت المال سے مشاہرہ جاری کردو تا کہ وہ معتدل زندگی گزار سکے۔(۶۰)

مذکورہ آثار واقوال سے پتا چلتا ہے کہ اہلِ ذمہ ان تمام رعایات اور آسانیوں کے مستحق ہیں جن کا کوئی بھی اسلامی ریاست کا فرد مستحق ہوسکتا ہے۔

مراجع وحواشی

(۱) القریشی الدمشقی، ابوالفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ج۱ص۷۰۳ (طبعۃ دوم) ریاض، دارطیبۃ للنشر والتوزیع ۱۹۹۹، تحقیق: سامی بن محمد سلامۃ

(۲) القرطبی، ابوعبداللہ، الجامع لاحکام القرآن، ج۸، ص۱۲۴، (طبعہ اوّل) ریاض، دارعالم الکتب ۲۰۰۳

(۳) القرضاوی، یوسف، غیر المسلمین فی المجتمع الاسلامی، ص۴۹، (طبعہ سوم) قاہرہ، مکتبہ وہبۃ ۱۴۱۳/۱۹۹۲

(۴) ابن سلام، ابوعبید قاسم، کتاب الاموال، ص۲۸۷، (طبع اوّل) سعودیہ، دارالفضیلہ للنشر والتوازیع ۲۰۰۴

(۵) الطبرانی، سلیمان بن احمد بن ایوب، ابو القاسم، المعجم الکبیر، حدیث نمبر (۱۴۸۱)، (طبع دوم) موصل، عراق، مکتبۃ العلوم والحکم، ۱۴۰۴/۱۹۸۳ تحقیق: حمدي بن عبدالمجید السلفي

(۶) الدمشقی علی بن الحسن بن ھبۃ اللہ ابوالقاسم ابن عساکر، تاریخ دمشق، ج۹ص۶۷ (نسخۃ المکتبۃ الشاملۃ)

(۷) بخاری، محمد بن اسماعیل ابوعبداللہ الجامع الصحیح ... ، ج۲، ص۹۴، (طبع اول)، بیروت، دارطوق النجاۃ ۱۴۲۲

(۸) بخاری، ج۲، ص۸۵ (۹) بخاری، ج۳، ص۱۶۴ (۱۰) صحیح بخاری، ج۲، ص۱۰۴

(۱۱) السجستاني، ابوداود سلیمان بن الاشعث، سنن، ج۴، ص۵۰۳، (طبع اول)، بیروت، دارالکتاب العربی

(۱۲) الظاھری، ابومحمد علی بن احمد بن سعید بن حزم الاندلسی، المحلی، ج۵، ص۱۱۲ (طبعۃ اول)، بیروت، دارالفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع ۱۴۱۸

(۱۳) الراافی المالکی، ابوالعباس، الفروق، ج۳، ص۳۰ (طبع اوّل)، بیروت، دارالکتب العلمیہ، ۱۹۹۸

(۱۴) ترمذی، ابوعیسی محمد بن عیسی، جامع، ج۴، ص۲۰، (طبع دوم)، بیروت، داراحیاء التراث العربی

(۱۵) ابن ابی شیبہ، عبداللہ بن محمد بن ابراہیم بن عثمان، الکتاب المصنف فی الاحادیث والآثار، ج۵، ص۴۰۸، (طبع اول)، ریاض، مکتبۃ الرشد ۱۴۰۹، تحقیق کمال یوسف الحوت

(۱۶) الطبری محمد بن جریر ابوجعفر، تاریخ الامم والملوک، ج۳، ص۳۶۲ (طبعۃ اول) بیروت، دارالکتب العلمیۃ ۱۴۰۷

(۱۷) یعقوب بن ابراہیم، ابویوسف، کتاب الخراج، ص۱۸۷، (طبعۃ اول) بیروت، دارالمعرفۃ للنشر والتوزیع ۱۳۹۹

(۱۸) الصنعانی ابوبکر عبدالرزاق بن ھمام، ج۱۰، ص۱۰۱، (طبع دوم) بیروت، المکتب الاسلامی ۱۴۰۳، تحقیق حبیب الرحمٰن الاعظمی

(۱۹) مودودی، مولانا ابوالاعلی، اسلامی ریاست میں ذمیوں کے حقوق، ص۱۳ (اشاعت چہارم) لاہور، اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ، ۱۹۲۲

(۲۰) صحیح بخاری، ج۱، ص۳۳ (۲۱) قرضاوی، ص۳۱۔۴۱

(۲۲) الشافعی، محمد بن ادریس ابوعبداللہ مسند الشافعی، ص۳۴۴، (طبع اول) بیروت، دارالکتب العلمیہ

(۲۳) قاسم بن سلام،۱/۳۹۲ (۲۴) نفس مصدر،۱/ ۲۵۸ (۲۵) قاسم بن سلام،۱/ ۲۵۵

(۲۶) صحیح بخاری، ج۳،ص۱۰۵ (۲۷) صحیح بخاری، ج۹،ص۶۴ (۲۸) صحیح بخاری، ج۴،ص۱۷۵

(۲۹) الجوزی، ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن محمد، مناقب عمر بن الخطاب،ص۹۷ (طبعہ اوّل) اسکندریہ،مصر، دار ابن خلدون ۱۹۹۶

(۳۰) البصری، محمد بن سعد ابوعبداللہ، الطبقات الکبری ج۳،ص۳۰۵، (طبعۃ اول) بیروت، دار صادر، تحقیق: احسان عباس، ۱۹۶۸

(۳۱) الحرانی، تقی الدین ابو العباس احمد بن عبد الحلیم بن تیمیۃ، مجموع الفتاوی، ج۲۸،ص۱۴۶، (طبعۃ سوم) ریاض، دار الوفاء، ۲۰۰۵، تحقیق: انور الباز- عامر الجزار (۳۲) ابن کثیر ج۱،ص۶۸۲

(۳۳) الدارقطنی علی بن عمر ابوالحسن، سنن، ج۱،ص۳۲، (طبع اول) بیروت، دار المعرفۃ، تحقیق السید عبداللہ ھاشم الیمانی المدنی،۱۹۶۶

(۳۴) ابن حزم، ج۱۱،ص۱۹۶ (۳۵) ابن سعد ج۱،ص۳۶۶ (۳۶) الطبری ج۲،ص۴۴۹

(۳۷) ابن خلدون، عبدالرحمٰن، دیوان المبتدا والخبر فی ایام العرب والعجم والبربر ومن عاصرھم من ذوی السلطان الاکبر، ج۲،ص۲۶۶، (طبع اوّل) بیروت، دار الفکر للطباعۃ والنشر ۲۰۰۱، تحقیق: استاذ خلیل شحادۃ- سھیل زکار

(۳۸) ابو یوسف،ص۱۵۰ (۳۹) نفس مصدر،ص۱۶۳

(۴۰) القرطبی، ابوعمر یوسف بن عبداللہ ابن عبداللہ، التمہید، ج۱۴،ص۳۹۲، (طبع اوّل)، قاہرہ، موسسۃ القرطبۃ ۱۹۸۶

(۴۱) لوبون، گوستاف، حضارۃ العرب،ص۱۲۸، (طبع اوّل) مصر، الھیئۃ الصریۃ العامۃ، ۱۹۶۹ ترجمہ عادل زعیند

(۴۲) آرنلڈ، تھوماس، الدعوۃ الی الاسلام،ص۶۵ (طبعہ سوم) مصر، مکتبہ النہضۃ المصریۃ ۱۹۲۰

(۴۳) ابو یوسف،ص۱۴۴ (۴۴) سنن ابی داؤد، ج۴،ص۲۶۲

(۴۵) ابن القوطیۃ، تاریخ افتتاح الاندلس،ص۳۱، (طبعہ اول) قاہرہ، دار الکتاب المصری ۱۹۸۹

(۴۶) الماوردی، ابوالحسن، الاحکام السلطانیہ،ص۸۹، (طبعہ اول) الکویت، مکتبہ دار ابن قتیبہ ۱۹۸۹

(۴۷) الکندی، ابوعمر محمد بن یوسف، کتاب الولاۃ وکتاب القضاۃ،ص۳۵۱/۳۹۰۔۲۹۱، (طبعہ اول) بیروت، مطبعہ الآباء الیسوعیین ۱۹۰۸

(۴۸) قرضاوی،ص۱۳

(۴۹) ابن زنجویہ، کتاب الاموال، ج۱،ص۴۲۳، ریاض، مرکز الملک فیصل للبحوث والدراسات الاسلامیہ، تحقیق زیب الفیاض

(۵۰) الجصاص، ابوبکر، احکام القرآن، ج۴،ص۸۹، بیروت، دار احیاء التراث العربی ۱۴۰۵

(۵۱) ایضاً، مودودی،ص۳۴۔۳۵ (۵۲) ایضاً، قرضاوی،ص۴۲

(۵۳) جامع الترمذی، ابواب الزھد، باب ماجآء فی الریاء والسمعۃ وحدیث نمبر ۲۵۵۶

(۵۴) ابن بطال، شرح صحیح البخاری، ج۶،ص۲۱۹، (طبعہ دوم) سعودیہ، مکتبہ الرشید ۲۰۰۳

(۵۵) قرطبی، ج۸،ص۱۲۴ (۵۶) ابو یوسف،ص۹۳

(۵۷) البلاذری، ابوالعباس احمد بن یحییٰ بن جابر، فتوح البلدان، ج۱،ص۱۵۳، (طبعۃ اول) بیروت، مؤسسۃ المعارف للطباعۃ والنشر ۱۹۸۷

(۵۸) ابن عساکر، ج۲،ص۱۸۳ (۵۹) ابو یوسف،ص۱۵۷۔۱۵۸ (۶۰) قاسم بن سلام،ص۲۰۳